اداریہ

ولی کی مرضی ـــــ خاندانی استحکام کی ضمانت

(روزنامہ پاکستان میں شائع شدہ حامد میر کی معروضات کا محاکمہ)

محترمی حامد میر صاحب

السلام علیکم!

یکم نومبر کے روزنامہ پاکستان میں آپ کا کالم بعنوان "باپ کی جیت اور بیٹی کا دل" نگاہ سے گذرا۔ آپ نے سلطان خان صاحب کے چند جملے اور صائمہ کے والد حافظ عبدالوحید روپڑی کا خط شائع کیا ہے۔ جہاں تک ان خطوط کے مندرجات کا تعلق ہے مجھے ان سے غرض نہیں ہے۔ البتہ بین السطور آپ نے اپنی موضوعی آراء کا اظہار کیا ہے، ان کے متعلق میں اپنا نقطہ نظر آپ کے گوش گذار ضرور کرنا چاہوں گا۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "فرار کا راستہ وہ لڑکیاں اختیار کرتی ہیں جن کی تربیت میں کوئی خامی ہو یا ان کے والدین میں انسانی رویوں کی بجائے حیوانی رویوں کی زیادتی ہو۔ انسانوں کی لڑکیاں فرار نہیں ہوتیں بلکہ انسانوں کی طرح حق مانگتی ہیں" اگر آپ کے ان ارشادات عالیہ کی معروضیت، معقولیت اور فکری صداقت پر یقین کر لیا جائے تو فکری اعتبار سے اس کے خطرناک مضمرات کو بھی قبول کرنا پڑے گا۔ اس طرح اولاد کے تمام گناہوں کو والدین کی تربیت کی کمی سمجھ کر سند جواز عطا کرنی پڑے گی۔ بعض انبیاء کرام کی ناخلف اولاد کی ساری نازیبا حرکات کو (نعوذ باللہ) ان انبیاء کرام کی تربیت میں نقص پر محمول کیا جائے گا۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ پاکستان میں لڑکیاں والدین کی تربیت میں کمی کے نتیجے میں فرار نہیں ہوتیں بلکہ ان کے اس رویے کی تشکیل میں ذرائع ابلاغ میں جنسی ہولناکی کی تشہیر، کالجوں میں بے حیائی اور بے باکی کا ماحول، گھر سے باہر ایسے افراد سے میل ملاپ جن کی زندگیاں اخلاقی اقدار سے عاری ہوتی ہیں، جیسے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ آج ہمارے ذرائع ابلاغ عشق و محبت کے نام پر شہوت پرستی کو فروغ دے رہے

ہیں۔ جنسی بے راہروی کی بنیاد پر پروان چڑھنے والی مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کے نتائج ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ مجھے افسوس ہے۔ آج ہمارے صحافی مرض کی اصل وجوہات کی تشخیص کی بجائے ان امور کی نشاندہی میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ جن کا مرض سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

آپ نے اپنے کالم میں تحریر فرمایا ہے کہ "اسلام فرسودہ معاشرتی اقدار کو بدلنے آیا تھا" اس سے آپ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شادی کے متعلق "ولی کی مرضی" پر اصرار بھی شاید ان فرسودہ روایات میں سے ایک ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ کی یہ رائے قرآن و سنت کی تعلیمات، اسلامی تاریخ اور اسلامی معاشرے کے مزاج اور اس کی معاشرتی اقدار کے متعلق بھرپور آگاہی نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ یا غالباً یورپ کے فکر جدید کے زیر اثر آپ اس بات کو مسترد کرنے کا میلان رکھتے ہیں جو تہذیب یورپ کے بنیادی افکار سے متصادم ہو۔ آپ ایک صحافی ہیں، میرا آپ کے بارے میں حسن ظن ہے کہ آپ قرآن و سنت کا مطالعہ اگرچہ نہ کرتے ہوں لیکن یورپ کے اخبارات اور رسائل پر ضرور نگاہ رکھتے ہوں گے۔ اگر آپ نے پچھلے ایک سال میں ٹائم، نیوز ویک، اکانومسٹ وغیرہ کو دیکھا ہو تو آپ کو ضرور معلوم ہو گا کہ وہاں خاندان کے ادارے کی تباہی کے بعد معاشرہ کن کن مسائل سے دوچار ہیں اور وہ خاندانی اقدار کی بحالی کی کس قدر ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ مزید برآں اگر شادی کے معاملے میں "ولی کی مرضی" واقعتاً ایک فرسودہ روایت ہوتی تو خود نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ، محدثین اور فقہاء نے اس کی نشاندہی ضرور کی ہوتی۔ امر واقع یہ ہے کہ اسلام خاندان کے تحفظ کو فرد کی آزادی کے مقابلے میں زیادہ ترجیح دیتا ہے۔ جہاں فرد اور اجتماعیت کے مفادات ٹکرائیں گے۔ فرد کو ایثار کرنا پڑے گا۔ یہی اسلامی معاشرت کا حسن و اعتدال ہے۔ اگر آپ کسی چیز کو ناپسند کرتے ہیں تو آپ میں اس قدر اخلاقی جرات اور فکری دیانت ضرور ہونی چاہئے کہ اسے اپنے رائے سمجھ کر تشہیر دیں اسلام

کو اس معاملے میں صاف رکھا جائے تو بہتر ہے۔

آپ نے تیسری بات جو بے حد حیران کن ہے، یہ فرمائی ہے کہ صائمہ اور ارشد کی مخالفت کرنے والے "اقلیتی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں" تعجب ہے ایک معروف معاشرتی قدر کو "اقلیتی مکتبہ فکر" آپ نے کیسے قرار دے دیا؟۔ ہمارا ایمان ہے۔ والدین کی مرضی کے بغیر شادی کی وکالت کرنے والے آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ پاکستان کی عظیم اکثریت قرآن و سنت کی تعلیمات کو نہ صرف ذہنی طور پر قبول کرتی ہے بلکہ اسے دینی کے علاوہ سماجی ضرورت بھی محسوس کرتی ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کے حالیہ فیصلے کے بعد لاہور کے دو اخبارات میں رائے عامہ پر مبنی سروے شائع ہوئے جس مین قارئین کی اکثریت نے اس فیصلے کے حق میں رائے دی تھی۔

حامد میر صاحب! اگر آپ واقعی سمجھتے ہیں کہ "ولی کی رضامندی" محض اقلیتی مکتبہ فکر ہے تو پھر آپ اپنے کالم میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کیوں نہیں کرتے کہ اس مسئلے پر ریفرنڈم کروایا جائے۔ انسانی حقوق کے نام پر خاندانی نظام کی دھجیاں اڑانے والی وہ بیگمات آخر کیوں خاموش ہیں وہ یہ مطالبہ کیوں نہیں کرتیں۔

امید ہے آپ ان معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔

مخلص

محمد عطاء اللہ صدیقی